تعلق بالرسول ﷺ کے تقاضے اور ہم!

ڈاکٹر عزیز احسن

نعت ریسرچ سینٹر

B-306، بلاک۔14، گلستان جوہر

کراچی۔ پوسٹ کوڈ۔75290

تعلق بالرسول ﷺ کے تقاضے اور ہم!

نام کتابچہ	:	تعلق بالرسول ﷺ کے تقاضے اور ہم!
مصنفہ	:	ڈاکٹر عزیز احسن
صفحات	:	۲۴
تاریخِ اشاعت	:	صفر ۱۴۳۶ھ مطابق دسمبر ۲۰۱۴ء
ہدیہ	:	دعائے خیر
اہتمام		سید معراج جامی، بزمِ تخلیق ادب پاکستان، کراچی

نعت ریسرچ سینٹر کی طرف سے اس کتابچے کو اسی حالت میں شائع کروانے کی عام اجازت ہے۔

ناشر

نعت ریسرچ سینٹر

B-306، بلاک۔14، گلستان جوہر

کراچی۔ پوسٹ کوڈ۔75290

ملنے کا پتہ:

بزمِ یوسفی، A12، بلاک13، گلستانِ جوہر، کراچی۔ پوسٹل کوڈ:75290

بسم اللہ الرحمن الرحیم

ہم مسلمان ہی اس لیے ہیں کہ حضور اکرم محمد رسول اللہ ﷺ کی نبوت اور ان کی نبوت کے بعد سلسلۂ نبوت کے اختتام پر ایمان رکھتے ہیں۔ حضور ﷺ کی نبوت پر ایمان کے غیر متزلزل ہونے کے لیے یہ ضروری ہے کہ آپ ﷺ سے ہمارا واسطہ مسلسل قائم رہے۔ ہمارے اعمال، افعال، فکر، گفتگو، رشتے ناطے، ثقافت و تمدن اسی تعلق کی بنیاد پر اپنی نمود پائیں اور ملکی اور بین الاقوامی سطح پر صرف اسی ایک رشتے کے حوالے سے ہماری شناخت ہو۔ ہماری انفرادی اور اجتماعی زندگی کا ڈھانچہ حضور اکرم ﷺ کے تعلق کا بہترین نمونہ پیش کرنے والا ہو۔ ہمارے عقائد وہی ہوں جو ہمیں حضور ﷺ کے توسط سے براہ راست پہنچے ہیں۔ ہمارے معاملات ویسے ہی ہوں جو ہمارے دین کا تقاضا ہے۔ ہمارے کردار ایسے ہی شفاف ہوں جیسے حضور ﷺ کے امتیوں کے ہونے چاہئیں۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے ”قل ان کنتم تحبون اللہ فاتبعونی یحببکم اللہ“ (اے حبیب ﷺ) کہہ دیجیے کہ اگر تم اللہ تعالیٰ سے محبت رکھتے ہو تو میری تابعداری کرو، اللہ تعالیٰ تم سے محبت کرے گا“[۱]۔ اللہ سے محبت ایمان کے بغیر ممکن نہیں۔ ایمان کا تقاضا پورا کرنے کے لیے حضور ﷺ کی محبت بھی لازمی ہے اس لیے کہ اگر حضور ﷺ کی ذات کے علاوہ بھی کسی امتی کے دنیاوی محبوب ہیں اور اسی درجے کے محبوب ہیں جس درجے کا محبوب حضور اکرم ﷺ کو ہونا چاہیے، تو ایمان کامل نہیں۔ پھر اس محبت کا ثبوت اتباع کے بغیر مہیا نہیں کیا جا سکتا۔ اور زبانی دعویٰ اللہ

رب العزت کے ہاں قابل قبول نہیں۔ اللہ تعالیٰ نے خود اپنی ذات سے محبت کے دعوے کے ثبوت کے طور پر حضور ﷺ کی اتباع کا عملی ثبوت طلب فرمایا ہے۔

تو سچائی کا معیار کیا ہوا؟ بات، یا دعوے کا عملی ثبوت۔ اس عملی ثبوت کی مثال دیکھیئے۔ جادوگروں نے فرعون کی خوشنودی حاصل کرنے کے لیے موسیٰ علیہ السلام سے مقابلے کی ٹھانی۔ اپنے جادو کا مظاہرہ بھی کر ڈالا۔ لیکن جب موسیٰ علیہ السلام کی سچائی ان پر واضح ہوگئی تو فوراً ایمان لے آئے۔ اب اس ایمان کے امتحان کی گھڑی آ گئی۔ فرعون نے کہا تمہیں اذیت دے کر قتل کروا دوں گا۔ کہنے لگے ہم اس کے لیے تیار ہیں اور پھر قتل کر بھی دیئے گئے۔ ایمان کا عملی ثبوت پیش کر دیا۔ اللہ نے ان کی یہ قربانی اس طرح قبول کی کہ قیامت تک ان کا ذکر قرآن کے الفاظ میں دہرایا جاتا رہے گا۔ آخرت کا اجر اس کے علاوہ ہے۔ ”بولا فرعون (کیا) ایمان لے آئے ہو تم اس پر پہلے اس سے کہ اجازت دوں میں تم کو؟ یقیناً یہ وہ خفیہ سازش تھی جو تم نے تیار کر رکھی تھی شہر میں تاکہ تم بے دخل کر دو اس میں سے اس کے مالکوں کو، سو عنقریب تم جان لو گے (اس کا نتیجہ) (۱۲۳) ضرور کٹوا دوں گا میں تمہارے ہاتھ اور تمہارے پاؤں مخالف سمتوں سے پھر ضرور سولی پر چڑھا دوں گا تمہیں سب کو (۱۲۴) انہوں نے جواب دیا (کچھ پرواہ نہیں) بہر حال ہمیں اپنے رب ہی کی طرف لوٹ جانا ہے (۱۲۵)[۲] جادوگروں کے کردار میں عملی طور سے ظہور پذیر ہونے والے اس انقلاب کا قصہ آنے والی انسانی نسلوں کے لیے اللہ رب العزت نے محفوظ فرما دیا۔ کیونکہ اللہ کے فرمان کے مطابق جو چیز انسانوں کو فائدہ پہنچاتی ہے وہ باقی رہ جاتی ہے۔[۳]

لیکن ایمان میں کھوٹ ہو تو اللہ کی سنت یہ ہے کہ اگر مسجد بنا کر اس مسجد میں اللہ کے برگزیدہ نبی ﷺ کو بھی دعوت دی جائے کہ اس میں نماز ادا فرما کر ہمیں راحت پہنچائیں۔۔۔ تو نہ صرف یہ کہ ان کی دعوت رد کر دی جاتی ہے بلکہ حکم ہوتا ہے کہ اس مسجد کو ڈھا دو!

”وہ لوگ جنہوں نے بنائی ہے ایک مسجد (دعوت حق کو) نقصان پہنچانے کے لیے اور کفر کے لیے اور تفرقہ ڈالنے کے لیے اہل ایمان کے درمیان اور اس (غرض) سے گھات لگانے کی جگہ بنے

اس کے لیے جو جنگ کر چکا ہے اللہ اور اس کے رسول سے قبل ازیں۔ اور ضرور قسم کھا کر کہیں گے کہ نہیں ہے ہمارا ارادہ مگر بھلائی کا اور اللہ گواہی دیتا ہے کہ یقیناً یہ لوگ قطعی جھوٹے ہیں (۱۰۷) نہ کھڑے ہونا اس میں کبھی۔[۴]

مسجد کا انہدام اس بات کی علامت ہے کہ نیت کے کھوٹ سے اچھا عمل بھی قابل قبول ہونے کے بجائے وبال بن جاتا ہے۔۔۔

اسی نظیر کی روشنی میں کہا جاسکتا ہے کہ مسلمان معاشروں پر تاتاری حملوں کے بعد سے آج تک جتنی بھی تاراجی کارروائیاں ہوئی ہیں وہ مسجد ضرار کے انہدام کے حکم ہی کے اصول کے تحت ہوئی ہیں۔ ایسی صورت میں اپنی تاریخ سے سبق سیکھنا خود اسلامی معاشروں کی ذمہ داری تھی۔ آج بھی جو ہول اور خوف کی فضا اسلامی معاشروں پر طاری ہے وہ مسلمانوں کو دعوت فیصلہ دے رہی ہے۔ جی ہاں! اب مسلمانوں کو خود ہی طے کرنا ہے کہ ایمان کے کھوکھلے دعوے پر ہی دین کی عمارت بلند کرتے رہیں گے یا اللہ کے مطلوبہ معیارات کے مطابق زندگی گزارنے کا عملی مظاہرہ کریں گے؟

فطرت افراد سے اغماض بھی کر لیتی ہے
کبھی کرتی نہیں ملت کے گناہوں کو معاف!

(کلیاتِ اقبال اردو، ۵۴۸/۸۶)

ایمان باللہ اور ایمان بالرسول ﷺ کی پرکھ صرف اعمال کے ذریعے ہوتی ہے۔ اعمال کی درستگی 'نیت کے درست ہونے پر ہے، اس کسوٹی پر جب ہم آج امت مسلمہ کے اجتماعی کردار پر غور کرتے ہیں تو سوسائٹی کے مختلف طبقوں کے جو رویئے سامنے آتے ہیں وہ بہت زیادہ دل خوش کن نہیں ہوتے ہیں۔ اس لیے تعلق بالرسول ﷺ کا ادعا کتنا وزن رکھتا ہے؟ یہ فیصلہ تو ہمارا اجتماعی ضمیر خود ہی کرلے گا ۔

آجکل مختلف بیماریوں کے لیے مختلف ٹیسٹ کروانے پڑتے ہیں۔ ٹیسٹ رپورٹوں میں

کسی بیماری کی علامات کے حوالے سے مختلف معیارات دیئے ہوئے ہوتے ہیں۔ مثلاً نارمل بلڈ پریشر کتنا ہونا چاہیے، بلڈ شوگر کس رینج تک خطرناک نہیں ہے، یوریا کتنا خطرے کی حدود سے باہر ہے۔ یہ رپورٹیں دیکھ کر اب مریض خود بھی اپنی بیماری کی نوعیت جان جاتا ہے۔ اب ان رپورٹوں کی خواندگی کے لیے ڈاکٹر کی مدد کی ضرورت نہیں ہوتی۔ آج ہمارے معاشرے میں اتباع رسول ﷺ کی کیفیت کیا ہے؟ اس کیفیت کو دین کے بتائے ہوئے اصولوں کی روشنی میں قابل قبول معیار کی حد تک ظاہر کیا جائے تو میرا خیال ہے کہ ہر مسلمان خود ہی یہ اعتراف کر لے گا کہ انفرادی طور پر بھی اور اجتماعی طور پر بھی ہم بے عملی کے سرطان میں مبتلا ہیں۔ سرطان کا مرض جب ڈکلیر ہو جائے تو زندگی کی مہلت کچھ زیادہ نہیں ہوتی۔ ہاں علاج اور پرہیز سے کچھ مہلت ضرور مل جاتی ہے، اور بعض حالتوں میں یہ مہلت کئی سال کی ہوتی ہے۔ کبھی کبھی مکمل علاج بھی ہو جاتا ہے۔ بشرطیکہ علاج کا تسلسل قائم رہے اور لازمی طور پر پرہیز کیا جائے۔

اس مثال کی روشنی میں دیکھا جاسکتا ہے کہ زندگی گزارنے کا وہ معیار جو اللہ کو پسند ہے وہ کیا ہے؟ اس معیار کو جاننے کے لیے قرآن سے رجوع کرتے ہیں تو یہ آیت سامنے آتی ہے "**یا ایھا الذین آمنو الدخلوا فی السلم کآفہ**" (اے ایمان والو! پورے کے پورے دین میں داخل ہو جاؤ)[۵]۔ دین میں پورے پورے داخل ہونے کا مطلب ہے نبیء کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کی سو فیصد پیروی، بلاچون وچرا تابعداری اور پرخلوص اتباع۔

حضور ﷺ نے فرمایا: "صلوا، کما رایتمونی اصلی" (جیسے مجھے نماز پڑھتا دیکھو ویسے نماز پڑھو!)۔۔۔۔۔ کیا ہم واقعی ویسی ہی نمازیں پڑھ رہے ہیں جیسی رسول اکرم ﷺ نے صورۃً و معناً پڑھی تھیں؟۔۔۔ جواب من حیث القوم کم از کم سو فیصد اثبات میں نہیں دیا جاسکتا۔

بالفرض ادائیگی ءنماز کے طریقوں کا تفاوت، نظرانداز بھی کر دیا جائے، تب بھی کیا نماز قائم کرنے کا وہی معیار ہے جو حضور ﷺ اور ان کے اصحاب کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کے دور میں تھا؟۔۔۔ حضور ﷺ کے دور میں کوئی منافق بھی با جماعت نماز ترک نہیں کرتا تھا۔۔۔ کیوں

؟۔۔۔اس لیے کہ اسے یہ خطرہ ہوتا تھا کہ کہیں منافقت کا پردہ چاک نہ ہوجائے؟۔۔۔تو پتہ یہ چلا کہ باجماعت نماز ادا نہ کرنے والے کسی نہ کسی درجے میں منافقت کے شکار ہورہے ہیں۔۔۔ اور ہمارے معاشرے میں باجماعت نماز ادا کرنے والوں کی شرح فیصد کتنی ہے؟۔۔۔بمشکل تین سے چار فی صد۔۔۔تو نتیجہ کیا نکلا؟۔۔۔

پھر کاروباری مصروفیت یا کاہلی، یا بیماری کے باعث ترک جماعت کر کے تنہا نماز پڑھ لینے والوں کی شرح فیصد کتنی ہے؟ حدیث میں ہے ”جو جان بوجھ کر نماز چھوڑ دے وہ مذہب سے نکل جاتا ہے“ [٦]۔تو ہمارے معاشرے کے کتنے فیصد لوگ اس منزل پر ہیں؟

۔۔۔۔۔۔۔۔جو لوگ عبادات کی ادائیگی میں سستی کرتے ہیں وہ فاسق ہیں۔۔۔اور جس معاشرے میں فاسقوں کی تعداد بڑھ جائے وہ کم از کم اللہ کا پسندیدہ معاشرہ نہیں ہوسکتا۔۔۔

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کا ارشاد ہے۔۔۔ہم تو اپنا یہ حال دیکھتے تھے کہ جو شخص کھلم کھلا منافق ہو وہ تو جماعت سے رہ جاتا تھا ورنہ حضور (ﷺ) کے زمانے میں عام منافقوں کی بھی جماعت چھوڑنے کی ہمت نہ ہوتی تھی یا کوئی بیمار، ورنہ جو شخص دو آدمیوں کے سہارے سے گھسٹتا ہوا جاسکتا تھا وہ بھی صف میں کھڑا کر دیا جاتا تھا۔[٧]

نماز کی ادائیگی کی شرح فیصد کے زمینی حقائق کی روشنی میں دیگر عبادات کی ادائیگی کی شرح فیصد قیاس کر لیجیے؟

معاملات پر غور فرمائیے۔تعلق بالرسول ﷺ کی اولین شرط یہ ہے کہ معاملات کی بنیاد ”سچ“ پر ہو۔کسی معاملے میں کسی طرح کا بھی خفی سے خفی جھوٹ شامل نہ ہو۔عبداللہ بن عامرؓ سے مروی ہے۔۔۔حضور ﷺ میرے غریب خانے پر تشریف لائے کہ میری والدہ نے مجھے یہ کہہ کر بلایا ”آؤ تمہیں ایک چیز دوں۔حضور ﷺ نے پوچھا: کیا دینے کا ارادہ ہے؟ بولیں: کھجور! حضور ﷺ نے فرمایا کہ اگر تم اسے کچھ نہ دیتیں تو تمہارے نامہء اعمال میں ایک جھوٹ لکھ لیا جاتا“۔(ابوداؤد) اور فرمایا ”اے لوگو! جھوٹ بولنے پر تمہیں کیا چیز ابھارتی ہے۔جھوٹ بھی ایسا

مسلسل کہ جیسے پروانے یکے بعد دیگرے آگ میں گر رہے ہوں؟ فرزند آدم سے ہر جھوٹ کا مواخذہ ہوگا“ [٨]

تاریخ اسلام کا بڑا مشہور واقعہ ہے کہ حدیث کی تدوین میں مصروف کسی بزرگ نے سنا کہ کسی جگہ کوئی صاحب ہیں جو کسی حدیث کے راوی ہیں، محدث صاحب ان صاحب کے قصبے میں گئے اور راویء حدیث کے قریب پہنچ گئے۔۔۔انھوں نے دیکھا وہ صاحب اپنے اونٹ کو جھولی دکھا کر بلا رہے ہیں، اونٹ قریب آیا تو انھوں نے پکڑ لیا اور جھولی جھٹک دی۔اس میں کچھ نہیں تھا۔۔۔ محدث صاحب یہ منظر دیکھ کر واپس لوٹ گئے۔۔۔جانور کے ساتھ دھوکہ کرنے والا شخص نبی ﷺ کی حدیث کا اگر صحیح راوی بھی ہے تب بھی مطلوبہ معیار سے گرا ہوا ہے، اس لیے اس کی روایت میں کراہت کا پہلو ہے۔نبی علیہ السلام ﷺ نے فرمایا تھا ”جب بندہ جھوٹ بولتا ہے تو فرشتہ اس کی بدبو سے میلوں دور بھاگ جاتا ہے“۔[٩]

عربوں کا قومی مزاج ہی ایسا تھا کہ وہ زمانہء جاہلیت میں بھی جھوٹ بولنے سے نفرت کرتے تھے۔حضرت ابوسفیانؓ جب اسلام نہیں لائے تھے اس وقت بھی انھوں نے قیصر روم کے سامنے حضور اکرم ﷺ کی رسالت کے ضمن میں سچی گواہی دی۔یہ واقعہ تاریخ طبری کے حوالے سے بہت سے مورخین نے نقل کیا ہے۔[١٠]

آج ہمارے ہاں کتنے لوگ، مذہبی موضوعات پر گفتگو کرتے ہوئے سچ کے اس معیار کی پابندی کرتے ہیں؟۔۔۔بہت سارے نام نہاد مذہبی لوگ جان بوجھ کر ایسی روایات گھڑ کر پیش کرنے کی کوشش کرتے ہیں کہ ان کا مؤقف کسی نہ کسی طرح سے قبول کر لیا جائے۔۔۔چاہے واقعات کا کتنا ہی خون کیوں نہ ہو۔۔۔ تاریخ کی کتنی شخصیات ایسی ہیں جن کو حضور ﷺ کی رفاقت کا شرف بھی حاصل تھا اور اللہ کی خوشنودی بھی حاصل تھی لیکن بعض کم نصیب ان پر تہمتیں تراش کر ان کے معاملات میں شکوک پیدا کرنے کی سعی کرتے ہیں۔۔۔اور کتنے ایسے لوگ ہیں جن کے ایمان کی شہادت نہیں ملتی لیکن آج کے لوگ صرف گروہی مفادات کی خاطر انھیں مسلمان

قرار دینے کی سرتوڑ کوشش کرتے نظر آتے ہیں۔۔۔تاریخ اسلام کے ساتھ یہ مذاق کتنا بھیانک ہے؟۔۔۔سچ کا معیار کہاں گیا؟ علمی بددیانتی کا حال یہ ہے کہ تحقیقی محنت کوئی کرتا ہے اور نام کسی اور کا ہو جاتا ہے۔زندگی کے کسی شعبے میں بھی سچ اپنی اصل اور خالص شکل میں جاری نظر نہیں آتا؟ تو سچ کے باب میں جس کے نمبر ۱۰۰ ہیں اور کامیابی کے لیے سو نمبر ہی درکار ہیں، ہمارا معاشرہ پیروی ٔ شاہ ہر عالم ﷺ کے معیار کو کسی سطح پر چھوتا ہوا نظر آتا ہے؟ اس سوال کا جواب ہماری سماعتوں پر گراں گزر سکتا ہے،اس لیے جانے دیجیے۔

" **لا یؤمن احد کم حتیٰ یحب لاخیه مایحب لنفسه**" [۱۱] کوئی شخص تم میں سے ایمان والا نہیں ہو سکتا جب تک وہ اپنے بھائی کے لیے وہی چیز پسند نہ کرے جو وہ اپنے لیے پسند کرتا ہے"۔حضرت ابوھریرہؓ سے روایت ہے"**المسلم من سلم المسلون من لسانهٖ ویدهٖ ولمؤمن من آمنه الناس علی دمائهم و اموالهم**" [۱۲]۔"مسلم وہ ہے جس کی زبان اور ہاتھ سے دوسرے مسلمان محفوظ رہیں اور مؤمن وہ ہے جس کی ذات سے لوگوں کی جان و مال کو کوئی خطرہ نہ ہو"۔اس معیار پر پیروی ٔ رسول ﷺ کے تقاضے ہمارے معاشرے میں کتنے اور کس اہتمام سے پورے ہو رہے ہیں اس پر گفتگو کرنا فضول ہے!۔۔۔اللہ ہمیں عملی مسلمان بنا دے (آمین)۔

علماء کرام نے ایک خاص وطیرہ اپنا لیا ہے کہ اپنے مسلک سے ذرا سی مختلف بات کرنے والے گروہ علماء کو عوامی جلسوں میں سب و شتم کا نشانہ بناتے ہیں اور عوامی جلسوں میں ایسی علمی باتیں کرنے لگتے ہیں جو صرف علماء ہی سمجھ سکتے ہیں، عوام میں اس گفتگو سے نہ صرف گمراہی پھیلنے کا اندیشہ ہوتا ہے بلکہ معاشرے میں بدامنی اور منافرت پھیلنے کا بھی خدشہ ہوتا ہے۔۔۔ایک طبقہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ذکر کی محفل سجاتا ہے اور اسے محفل میلاد کا نام دیتا ہے۔ان محافل میں حضور ﷺ کی عظمتوں کا بیان اس طور کرنے کی کوشش کی جاتی ہے جیسے اس طبقے کے علماء کے علاوہ حضور ﷺ کی ذات کو کسی نے سمجھا ہی نہیں ہے۔یہاں ایسی تقاریر قطعی نہیں ہوتیں جن سے

عام مسلمان اپنی عملی زندگی کے لیے کوئی نکتہ پلے باندھ کر اٹھے۔البتہ اس محفل کے شرکاء دوسرے گروہ کے علمائے دین اور ان کے ہم خیال مسلمانوں کے لیے تکفیری فتوؤں کی معلومات ضرور لے کر اٹھتے ہیں۔۔۔۔۔۔۔۔دوسرے گروہ کے علماء، ذکر رسول ﷺ کی محافل کو "سیرۃ النبی ﷺ" کے عنوان سے سجاتے ہیں اور تھوڑی سی سیرت بیان کرنے کے بعد اپنے نکتہ ٔ نظر سے اتفاق نہ کرنے والوں کے لیے بدگوئی شروع کر دیتے ہیں۔۔۔ان محافل میں اگر اپنے مؤقف کی وضاحتوں کی ضرورت پیش آتی ہے تو ایسی ایسی علمی موشگافیاں کی جاتی ہیں کہ عوام تو عوام ایک خاص سطح سے نچلی سطح کے دینی طلباء بھی اس گفتگو سے فیض یاب نہیں ہو سکتے۔۔۔حالانکہ آقائے نامدار جناب محمد الرسول اللہ ﷺ کا واضح ارشاد ہے کہ "جب تم لوگوں کے سامنے ایسی گفتگو کرو گے جو ان کی عقل کی رسائی سے باہر ہو، تو وہ کچھ لوگوں کے لیے فتنہ بن جائے گی"۔[۱۳]

علمی اختلافات کی بنا پر قوم کو اذیت میں مبتلا کرنا اپنی جگہ۔ائمہ ٔ مساجد میں کچھ ایسے بھی ہیں جو آلہ ٔ مکبر الصوت (loudspeaker) کے جا اور بے جا استعمال سے مسجد کے قریب رہنے والوں کی زندگیاں اجیرن بنائے ہوئے ہیں۔راقم الحروف نے متعدد بار مشاہدہ کیا ہے کہ اذان کے علاوہ بھی لاؤڈ اسپیکر بڑی باقاعدگی سے استعمال کر کے مریضوں اور مطالعے میں مصروف طالب علم بچوں کو اذیت دی جاتی ہے اور کوئی جراءت نہیں کر سکتا کہ مولوی صاحب سے کہہ سکے کہ جناب آپ جو اونچی آوازوں سے پیغام دینا چاہتے ہیں وہ زیادہ سے زیادہ مستحب عمل ہے جبکہ مسلمانوں کو اذیت دینا حرام ہے۔کیا کوئی مسجد کا پڑوسی یہ کہہ سکتا ہے کہ وہ مسجد کے مولوی اور اس کے کارندوں کی حرکات سے امن و عافیت کے ماحول میں سانس لے رہا ہے؟............لیکن یہ سب اس لیے ہے کہ مساجد بعض مولویوں کے غاصبانہ قبضے کی وجہ سے ان کی ذاتی ملکیت اور ان کی ذاتی ریاست بن گئی ہیں۔

اس قسم کے طرز عمل کو مذکورہ احادیث کی روشنی میں کہاں تک سراہا جا سکتا ہے؟ کیا ہمارے نام نہاد علماء کے ہاتھوں مسلمانوں کا چین اور سکون محفوظ ہے؟............اور کیا علماء کی

مسلکی جنگ میں دشنام طرازی کے عمل سے کسی کی عزت و آبرو محفوظ ہے؟..........میرا جواب نفی میں ہے۔ ہوسکتا ہے آپ بھی مجھ سے اتفاق کریں!

ہمارے مولویوں کا احوال تو حالؔی نے بھی بڑے دکھ سے ۱۹۰۲ء میں لکھا تھا اور کہا تھا:

کون ہے ان کے سوا اسلام کے فرقوں کو جو
مل کے آپس میں نہ ہونے دے کبھی شیر و شکر؟

(کلیاتِ نظمِ حالؔی......جلد دوم......صفحہ ۲۶۵)[۱۳][الف]

حضرت انسؓ کی روایت ہے کہ ''صحابہ کرامؓ کی نظر میں حضور ﷺ سے زیادہ کوئی بھی محبوب نہ تھا لیکن جب حضور ﷺ کو دیکھتے تو کھڑے نہ ہوتے تھے۔ اس لیے کہ انھیں علم تھا کہ حضور ﷺ اسے پسند نہیں فرماتے'' [۱۴]

آج کی صورت حال یہ ہے کہ حضور ﷺ کی محبت کا دعویٰ کرنے والے پیروں اور علماء کو بھی اپنے استقبال کے لیے کھڑے ہونے والوں کو منع کرنے کی توفیق نہیں ہوتی۔۔۔۔ بلکہ بعض خانقاہوں میں تو تعظیمی سجدوں تک کی گنجائش نکال لی جاتی ہے۔۔۔۔کیا اپنے نبی ﷺ سے تعلق اسی طرح استوار ہوتا ہے یا ہوسکتا ہے؟

حضرت انسؓ کی روایت ہے ''اپنے بھائی کی مدد کرو خواہ وہ ظالم ہو یا مظلوم، یہ سن کر ایک شخص نے عرض کیا، یارسول اللہ (ﷺ)! میں مظلوم کی تو مدد کرسکتا ہوں لیکن یہ فرمائیے کہ ظالم کی کس طرح مدد کروں؟ فرمایا: ''اسے ظلم سے روک دو، یہی اس کی مدد ہے''۔ [۱۵]

اور ہمارا طرز عمل یہ ہے کہ ہم ظلم کرنے میں ظالم کی اس لیے اعانت کرتے ہیں کہ وہ ہماری زبان بولتا ہے، ہمارے علاقے سے تعلق رکھتا ہے یا ہمارے علاقے کا با اثر شخص ہے۔ جمہوریت کے نام پر ہونے والے انتخابات میں ۹۹ فیصد لوگ کسی نہ کسی سطح پر ظلم کرنے والے ہی منتخب ہو کر آتے ہیں۔ ایک فیصد مخلص افراد کا حال یہ ہے کہ جب وہ معاشرے کے با اثر طبقے کا ہاتھ روک نہیں سکتے ہیں تو ان میں شامل ہو کر ظلم میں اعانت کرنے لگتے ہیں۔ کیا ایسی صورت میں تعلق بالرسول

ﷺ کے تقاضے پورے ہوسکتے ہیں؟

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ''ہر دین کا ایک خاص مزاج ہوتا ہے اور اسلام کا اخلاقی قوام حیا ہے''۔[۱۶]

ہمارے ملکی اکابرین کے حوالے سے آئے دن ایسی خبریں آتی رہتی ہیں جو انتہائی درجے کی حیا سوز ہوتی ہیں لیکن نہ تو لیڈروں کو شرم آتی ہے اور نہ ہی ان کے حواریوں کو حیا آتی ہے اور اس طرح ہمارے معاشرے سے حیا کا جنازہ دن کے ہر لمحے میں نکلتا رہتا ہے۔۔۔۔ پھر بھی ہم عاشقان رسول ﷺ کے زمرے میں شمارے ہونا چاہتے ہیں۔۔۔۔ایں چہ بوالعجبی است؟۔۔۔ اور ملاحظہ ہو: سید آفتاب علی صاحب نے حاصل مطالعہ پیش کرتے ہوئے ماہنامہ ضیاء وجیہ، رام پور (بھارت) کے مارچ ۲۰۰۸ء کے شمارے میں ''مغرب سے امپورٹڈ اسلام'' کے زیر عنوان لکھا تھا کہ مولانا ابوالکلام آزاد نے قبل تقسیم، مسلم لیگ کے پلان کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا تھا ''ہندوستان میں مسلمانوں کی اور پاکستان میں اسلام کی دُرگت بنے گی''۔۔۔۔ لکھتے ہیں ''مملکت اسلامیہ پاکستان، جہاں وقفہ وقفہ سے نظام مصطفیٰ ﷺ کے نعرے بلند ہوتے رہتے ہیں اب اس حال پر آگئی ہے کہ خواتین میں جو کم سے کم لباس میں ملبوس ہو وہ اتنی ہی ترقی یافتہ اور بین الاقوامی سطح پر قابل قبول سمجھی جاتی ہے۔۔۔ آگے انہوں نے پریس ٹرسٹ آف انڈیا (PTI) کی خبر کے حوالے سے اطلاع دی ہے کہ انڈرویر (کچھنا) پہن کر اوپری حصہ برہنا رکھ کر ایک پاکستانی خاتون نے مقابلہء حسن میں اول آنے کا اعزاز حاصل کیا ہے۔۔۔ مقابلہ کی ویب سائٹ پر موصوفہ کے حسن، جوانی اور جسمانی پیمائش کی تفصیل موجود ہے۔۔۔۔ یہ اسلام کی دُرگت نہیں تو اور کیا ہے؟'' (دُرگت بنانا: برا حال کرنا، بری حالت بنانا، گت بگاڑنا)۔[۱۶](الف) سید آفتاب علی صاحب نے موصوفہ کا نام بھی لکھا تھا لیکن میں ان کا نام لکھ کر اس مضمون کے تقدس کو پامال کرنا پسند نہیں کرتا۔ اس واقعے کی روشنی میں حضور رحمت عالم ﷺ کی حدیثِ مبارک پر ایک بار پھر نظر ڈال لیجیے۔ ''ہر دین کا ایک خاص مزاج ہوتا ہے اور اسلام کا اخلاقی قوام حیا ہے''۔

عدل وانصاف صرف اسلامی معاشرے ہی میں نہیں غیر اسلامی معاشروں میں بھی قدر کی نگاہ سے دیکھا جاتا ہے اور فی زمانہ تو عدل وانصاف قائم کرنے کی مثالیں (صرف اپنی سوسائٹی کی حد تک) غیر مسلم معاشروں میں زیادہ نظر آتی ہیں۔۔۔ یہ وصف مسلمانوں میں اس درجے کا مطلوب ہے کہ قیام عدل کے لیے اپنی ذات، اپنے والدین واقارب اور اپنے چاہنے والوں کے خلاف بھی گواہی دینی پڑے تو سچ اور عدل کا دامن نہیں چھوڑ سکتے، کسی مالدار کے رعب اور کسی مفلس کی ہمدردی بھی سچ کہنے اور انصاف قائم کرنے میں آڑے نہیں آنی چاہیے۔۔۔ یہاں تک کہ اگر کسی ایسے گروہ کے خلاف بھی گواہی دینی پڑے جو ہمارا جانی دشمن ہے تب بھی حق کے علاوہ کسی بات کا اظہار اللہ کے ہاں پسندیدہ نہیں ہے۔

اللہ جل مجدہٗ کا ارشاد ہے ''اے ایمان والو! ہو جاؤ مضبوطی سے قائم رہنے والے انصاف پر گواہی دینے والے محض اللہ کے لیے چاہے گواہی دینا پڑے تمہیں اپنے نفسوں کے خلاف یا اپنے والدین اور قریبی رشتہ داروں کے خلاف (جس کے خلاف گواہی دی جارہی ہے) وہ دولت مند ہو یا فقیر۔ پس اللہ زیادہ خیر خواہ ہے دونوں کا'' [۱۷] ''اے ایمان والو! ہو جاؤ مضبوطی سے قائم رہنے والے اللہ کے لیے گواہی دینے والے انصاف کے ساتھ۔ اور ہرگز نہ اکسائے تمہیں کسی قوم کی عداوت اس پر کہ تم عدل نہ کرو'' [۱۸]

گواہی کے یہ معیارات خود رسول اکرم ﷺ اور ان کے خلفائے راشدین نے تو قائم فرمائے لیکن اس کے بعد؟۔۔ اور آج ہمارے معاشرے میں انصاف کی جیسی دھجیاں بکھیری جارہی ہیں وہ کسی سے ڈھکی چھپی نہیں ہیں۔

اور سنیئے! حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ارشاد ہے ''اس امت میں کوئی برکت نہیں ہو سکتی جس میں عادلانہ فیصلے نہ ہوتے ہوں، اور جس میں کمزور کوئی پریشانی اٹھائے بغیر اپنا حق زبردست سے وصول نہ کرلے'' [۱۹]

ہمارے اخبارات معاشرتی ناانصافیوں اور ظلم کی داستانوں سے بھرے ہوتے ہیں لیکن مظلوموں

کی دادرسی کون کرتا ہے؟ ۲۸، اپریل ۲۰۰۸ء کا ایک انگریزی اخبار میرے سامنے ہے۔ ایک درد ناک واقعہ لکھا ہے ''ایک کانسٹیبل کو تیزاب ڈال کر اندھا کردیا گیا اور اس کے دونوں ہاتھ کاٹ دیئے گئے'' اس کا قصور یہ تھا کہ اس نے کسی بااثر شخصیت کو انتخابات میں دھاندلی کرنے سے روکنے کی کوشش کی تھی۔ اخباری رپورٹر نے لکھا کہ وہ بے چارہ، اللہ کے قہر کا انتظار کر رہا ہے کیونکہ اس پر ظلم ڈھانے والے تین ملزم ناکافی شہادت کی بنا پر رہا ہو چکے ہیں۔۔۔ اور اس معاشرے میں شہادت کیسے مل سکتی ہے؟ .... ابھی حال ہی میں پنجاب کے کسی زمیندار نے اپنے کارندے کے کسی بچے سے ناخوش ہو کر اس کے دونوں ہاتھ کٹوا دیئے اور استفسار پر کہنے لگا کہ کھیل ہی کھیل میں یہ حادثہ رونما ہو گیا۔ گویا انسانی زندگیوں سے کھیلنا طاقت ور طبقے کا حق ہے!

اللہ رب العزت کے احکامات اور حضور اکرم ﷺ کے ارشادات کی روشنی میں تعلق بالرسول ﷺ کے حوالے سے بات کرتے ہوئے، ایسے دردناک واقعات کو ہم کس کھاتے میں رکھیں؟۔۔ کیا حضور ﷺ کی ذات سے محبت کرنے والے مسلمان اس واقعے کے ذمہ داروں کو کھلا چھوڑ دینے پر خوش ہو سکتے ہیں؟ اور کیا اس قسم کے واقعات کسی معاشرے کے اسلامی تشخص کو برقرار رہنے دیں گے؟

رسول اکرم ﷺ دینی رہنما تو ہیں ہی آپ ﷺ نے دنیاوی امور میں بھی رہنمائی کے فرائض انجام دیئے تاکہ رہتی دنیا تک قوموں اور ملتوں کے امیر اور رہنما آپ ﷺ کے نقش قدم پر چل کر اس دنیا کو جنت کا نمونہ بنانے کی سعی کرتے رہیں۔۔۔ تاریخ گواہ ہے کہ جن لوگوں نے جس درجے میں بھی حضور ﷺ کی پیروی کرتے ہوئے مسلمانوں پر حکمرانی کی وہ اللہ کی مخلوق کی نظر میں بھی سرخرو ہوئے اور اللہ نے بھی ان کی اچھی شہرت برقرار رکھی اور جن لوگوں نے حضور ﷺ کے طرز حکومت کے خلاف عمل کیا یہاں بھی ذلیل وخوار ہوئے اور اللہ کے ہاں بھی ان کے اعمال کا حساب انتہائی ذلت آمیز طریق پر ہوگا............ ان شاء اللہ العزیز القوی!!!

میرے آقا ومولا سید الانام حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ نے فرمایا ''۔۔۔ جسے اللہ تعالیٰ کسی رعیت کا

راعی بنائے اور وہ اپنے فرض میں خیانت کا ارتکاب کر کے مرے تو اللہ تعالیٰ اس پر جنت حرام کر دے گا!'' [۲۰]

ترمذی اور نسائی کی روایت ہے ''سن لو عنقریب چند (نالائق) امراء ہوں گے۔ جو شخص ان کے پاس جائے اور ان کے جھوٹ کی تصدیق کر کے ان کے ظلم میں اعانت کرے وہ مجھ سے اور میں اس سے الگ ہوں گا اور وہ میرے پاس حوض کوثر سے سیراب ہونے کے لیے نہ آسکے گا۔ لیکن جو ان امراء کے پاس جا کر نہ ان کے مظالم میں ہاتھ بٹائے اور نہ ان کی جھوٹی باتوں کو سچا بتائے وہ میرا اور میں اس کا ہوں گا۔ اور وہ حوض سے سیراب ہونے کے لیے میرے پاس پہنچ جائے گا'' [۲۱] کیا ہماری قوم کی اکثریت یا اس کا کوئی لیڈر (بعض مستثنیٰ حالتوں کے علاوہ) حدیث شریف کے پیش کردہ آئینے کے سامنے کھڑے ہونے کی جرأت کر سکتا ہے؟

چشم فلک نے آج تک حضرت خالدؓ بن ولید جیسا سپہ سالار نہیں دیکھا۔ لیکن اطاعت امیر کا مظاہرہ جیسا کہ انھوں نے فرمایا شاید ہی کسی اور نے اس کی مثال قائم کی ہو! یہ اس لیے کہ حکم دینے والا امیر ایک عادل امیر تھا!.......... پھر عرض ہے کہ سپہ سالار اس لیے مطیع فرمان تھا کہ قوم کا حاکم اللہ سے ڈرنے والا تھا اور اپنے فرائض کی ادائیگی میں غفلت برتنے والا قطعی نہیں تھا۔

''مرعش کی تسخیر کے جلد بعد ۶۳۸ء (۱۷ھ) کے موسم خزاں میں حضرت عمرؓ کو اشعث کے قصیدہ پڑھنے اور خالدؓ کے دس ہزار درہم انعام دینے کی اطلاع ملی۔ یہ بات خلیفہ کی برداشت سے باہر تھی۔۔۔ فوراً ابوعبیدہؓ کو خط لکھا ''خالد کو بر سر جماعت لاؤ۔ اس کی دستار سے اس کے ہاتھ باندھو اور اس کے سر سے ٹوپی اتار دو۔ اس سے پوچھو کہ اس نے اشعث کو کہاں سے پیسے دیئے۔۔۔ اپنی جیب سے یا مہم کے مال غنیمت میں سے۔ اگر وہ اقرار کرے کہ مال غنیمت میں سے دیا ہے تو اس نے خیانت کی ہے، اور اگر اس کا دعویٰ یہ ہو کہ اس نے اپنی جیب سے دیئے تو یہ اسراف ہے۔ دونوں صورتوں میں اسے معزول کر دو اور خود اس کے فرائض سنبھال لو'' [۲۲] اور پھر تاریخ نے دیکھا کہ حضرت ابوعبیدہؓ کے ایما پر حضرت بلالؓ نے امیر المؤمنین حضرت عمر فاروق اعظم رضی

اللہ تعالیٰ عنہ کے حکم کی اس طرح تعمیل کی کہ ''خالدؓ کی پگڑی اور ٹوپی سر سے اتاری اور پیٹھ کے پیچھے پگڑی سے ان کے ہاتھ باندھ دیئے'' [۲۳] پھر جب حضرت خالد بن ولیدؓ نے اس بات کا اقرار کیا کہ پیسے اپنی جیب سے دیئے تھے تو حضرت بلالؓ نے اپنے ہاتھ سے پگڑی باندھی اور ہاتھ کھول دیئے اور خالدؓ بالکل بے بس ہو گئے۔ وہ معزول کر دیئے گئے تھے۔

کیا پاکستانی معاشرے میں یہ ممکن ہے کہ کوئی انتظامی سربراہ کسی سپہ سالار کو یوں بے عزت کر کے برطرف کر دے۔ یہ اس لیے ممکن نہیں کہ انتظامی سربراہ خود عادل نہیں ہوتا ہے۔ تعلق بالرسول ﷺ کے اثرات پوری امت پر ایسے ہوتے ہیں کہ نظم و نسق مثالی ہو جاتا ہے۔ ہمارا نظم اسی لیے بگڑا ہوا ہے کہ ہم عدل وانصاف سے کوسوں دور ہیں۔ اب نہ ہم میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ جیسا امیر ہے نہ خالد بن ولید رضی اللہ جیسا سپہ سالار۔

سانحہ کربلا کے حوالے سے بدنام ترین شخص یزید ہے۔ لیکن پاکستان میں ہونے والے کشت وخون کے ذمہ دار حکمرانوں کے سامنے اس کی مثال بھی کچھ چھوٹی لگتی ہے کیوں کہ یزید کے پاس کربلا سے بروقت کوئی اطلاع نہیں پہنچ سکتی تھی.......... پھر یزیدی فوج نے کسی خاتون کو بھی قتل نہیں کیا تھا۔ اس دور میں ذرائع اطلاع معدوم تھے اور پیغام رسانی کا نظام بہت سست۔ آج کے سریع الاطلاعی عہد کا 'شام کے یزیدی عہد سے کوئی موازنہ کیا ہی نہیں جا سکتا ہے .... ایسی صورت میں پاکستان کے بے حس حکمرانوں کو کیا نام دیا جائے؟؟؟

نام نہاد مذہبی لوگوں کا رویہ سب سے زیادہ حیران کن ہے۔ وہ زندگی کے عملی تقاضوں سے الگ تھلگ صرف نمائشی محافل سجا کر یہ سمجھتے ہیں کہ انھوں نے اپنی ذمہ داریاں پوری کر دیں۔ نعتیہ محافل جس انداز سے آج کل ہو رہی ہیں، اس سے قبل اس کا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا تھا۔ آج نعت خوانوں کو سراہنے کا وہی انداز اپنایا جا رہا ہے جو غیر مسلم قوموں نے دولت کے بے دریغ خرچ کی نمائش کے لیے اپنایا تھا۔ کسی نعت خواں کو سونے کا تاج پہنایا جا رہا ہے، کسی کو چاندی میں تولا جا رہا ہے۔ نعت خوانوں کے مقابلے میں دینی مدارس کے مدرس حضرات جو خاموشی سے دین کی

خدمت انجام دے رہے ہیں وہ مفلسی کی زندگی بسر کر رہے ہیں۔جس معاشرے میں پوری آبادی کو پیٹ بھر کر روٹی میسر نہیں ہوتی اس معاشرے میں نعت کے حوالے سے پرتعیش محفلیں سجانا اور ان میں دولت کی اس انداز سے نمائش کرنا کہ نعت خواں دولت کی کثرت ہی سے بگڑ جائیں، کہاں تک مناسب ہے؟ پھر ان محافل میں اخلاص کے کتنے پہلو نظر انداز ہو جاتے ہیں،اس کا غم کس کو ہے؟۔۔۔

ہر عمل معاشرتی زمین میں بیج بونے کے مترادف ہوتا ہے۔عمل کا حسن و قبح نتائج کے پھل کی صورت میں ظاہر ہوتا ہے۔اگر اس قسم کی محافل،عمومی ماحول میں مواخاۃ کے پھول کھلانے اور دین پر عمل کرنے کا جذبہ جگانے کے لیے میٹھے پھل پیدا کرنے میں معاون ثابت ہو رہی ہیں تب تو یہ عمل اسی نہج پر جاری رکھنا چاہیے بلکہ میں تو یہاں تک کہوں گا کہ اس عمل کو فی الفور بڑھا دیا جانا چاہیے اور اگر یہ محافل اسلامی معاشرے میں منفی اثرات پیدا کرنے میں معاون ثابت ہو رہی ہیں تو ہمیں ان محافل کی اصلاح کے لیے سوچنا ضرور ہوگا!۔۔بین الاقوامی سطح پر دین کی حقانیت ثابت کرنے کے لیے عملی اور ٹھوس اقدامات کی ضرورت ہے،صرف نعتیہ محافل سجا لینے سے یہ مقاصد حاصل نہیں ہو سکتے۔۔۔حضور اکرم محمد مصطفیٰ ﷺ کے عہد میں نعتیہ شاعری،اسلامی معاشرے کو عملی میدان میں تقویت دینے کے لیے کی جاتی تھی اور خود میرے آقا و مولا حضور نبیء کریم علیہ الصلوۃ والتسلیم اس شاعری کو سراہتے تھے،لیکن آج کی محافل میں ایک قسم کی سکر آمیز بے عملی کا درس مل رہا ہے۔اس طرف کون توجہ کرے گا،کوئی غیر مسلم؟ ۔۔۔تعلق بالرسول ﷺ کے حوالے سے گفتگو کرتے ہوئے ان پہلوؤں کو مدنظر رکھنا بہت ضروری ہے۔

اسلامی زندگی کا اہم عنصر جہاد ہے۔غیر مسلم دنیا اسی عمل سے خائف ہے اور کسی نہ کسی طور اس عنصر کو دبانے کے لیے سازشیں کرتی رہتی ہے۔کچھ ہماری آستینوں میں سانپ بھی ہیں۔جہاد کا میدان بالکل خالی دیکھ کر کچھ ایسے لوگوں نے قسمت آزمائی شروع کر دی ہے جو اپنی پر تشدد کارروائیوں کو جہاد کا نام دے کر خود جہاد اور اسلام کو بدنام کر رہے ہیں۔

تعلق بالرسول ﷺ کے تقاضے اور ہم!

انگریزوں نے اسلامی جہاد کے حکم کو منسوخ کروانے کے لیے ہندوستان میں ایک کاذب نبی پیدا کر دیا تھا جس نے اسلامی عبادات کی فہرست سے جہاد کو خارج کرنے کی سرتوڑ کوشش کی اور سیدھے سادے مسلمانوں کو گمراہ بھی کیا:

تعلیم اس کو چاہیے ترک جہاد کی
دنیا کو جس کے پنجۂ خونیں سے ہو خطر

(اقبال)

اب دنیا میں جہاد کے نام پر کچھ حرکت ہو رہی ہے۔اس حرکت میں کچھ لوگ اپنی سرزمین اور دین ایمان بچانے کے لیے واقعی جہاد کر رہے ہیں لیکن کچھ لوگ اصل دشمن پر وار کرنے کے بجائے معصوم جانوں سے کھیل رہے ہیں،اس طرح جہاد کا عین اسلامی عنصر بدنام بھی ہو رہا ہے اور خود اسلامی معاشروں میں بھی،دشمنان دین،جہاد کے خلاف جذبات ابھارنے میں کامیاب ہونے لگے ہیں۔۔۔مسلمان کو عملی ڈگر سے ہٹانے میں جہاں غیر مسلم قوتوں کا ہاتھ سرگرم ہے وہاں خود ہمارے علماء آپس کے اختلافات کو ہوا دیکر اتفاق واتحاد مسلمین کی فضا کو مکدر کر کے دشمنان اسلام کے اہداف کی تکمیل میں (اپنی سادہ لوحی کے باعث) ممد و معاون ثابت ہو رہے ہیں۔تبلیغ کے نام پر جو کچھ ایک مکتب فکر کے لوگ برسوں سے کر رہے تھے وہی عمل نام نہاد اہل سنت نے اپنا لیا ہے اور ان دونوں گروہوں کی طرف سے جہاد کے ذکر کو بالکل ختم کر دینے کی فضا ہموار کی جا رہی ہے۔ہمارے معاشرے میں اچانک نعت کے فروغ میں عوامی شرکت کا عنصر۔مختلف طریقوں سے عمل گریز رویوں کی حوصلہ افزائی اور سکر آمیز نعرہ بازی،ان محافل کے منعقد کرنے والوں کی نیتوں کو مشکوک بنا رہی ہے۔ضرورت اس بات کی ہے کہ ان محافل کے انعقاد سے دین کے عملی تقاضوں کو واضح طور پر عوام الناس کے سامنے پیش کیا جائے اور جہاد کی فرضیت کے درست پہلو کو، بالکل صحیح تناظر میں اجاگر کیا جائے،نیز مسلمانوں میں اتحاد و اتفاق کی فضا پیدا کرنے کی کوشش کی جائے۔اہل سنت والجماعت کے دونوں بڑے گروہ دیوبندی اور بریلوی مکاتب میں بٹے ہوئے

ہونے کے باوجود صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین اور ازواج النبی ﷺ یعنی امہاۃ المؤمنین، آل واولاد النبی ﷺ سے محبت رکھنے والے ہیں اور فقہی اعتبار سے دونوں ہی امام اعظم ابوحنیفہ کے پیروکار ہیں۔ دونوں ایک ہی طرح نماز ادا کرتے ہیں، روزے ایک ہی انداز سے رکھتے ہیں۔ زکوٰۃ دینے کا دونوں کے ہاں ایک ہی نصاب ہے اور حج کا طریقہ دونوں مکاتب کے لوگوں کا ایک ہے۔ ان دونوں گروہوں کو لڑانے کے لیے کچھ باطل فرقے اپنی سرتوڑ کوششوں میں مصروف نظر آتے ہیں اور ہمارے بعض خطیب ان کے آلہء کار بن جاتے ہیں۔ اللہ ان دونوں گروہوں کو عقل سلیم سے نوازے (آمین)۔ فی الحال تو ہمارے واعظوں کا حال وہی ہے جو علامہ اقبال رحمۃ اللہ علیہ نے برسوں قبل لکھ دیا تھا ۔

واعظوں میں یہ تکبر کہ الٰہی توبہ
اپنی ہر بات کو آواز خدا کہتے ہیں
ان کے ہر کام میں دنیا طلبی کا سودا
ہاں مگر وعظ میں دنیا کو برا کہتے ہیں
غیر بھی ہو تو اسے چاہیے اچھا کہنا
پر غضب ہے کہ یہ اپنوں کو برا کہتے ہیں
فرقہ بندی کی ہوا تیرے گلستاں میں چلی
یہ وہ ناداں ہیں اسے باد صبا کہتے ہیں
شاہد قوم ہوا خنجر پیکار سے خوں
ہائے غفلت یہ اسے رنگ حنا کہتے ہیں
آہ جس بات سے ہو فتنہء محشر پیدا
یہ وہ بندے ہیں اسے فتنہ ربا کہتے ہیں
جن کی دیں داری میں ہے آرزوئے زر پنہاں

آکے دھوکے میں اسے راہنما کہتے ہیں
لاکھ اقوام کو دنیا میں اجاڑا اس نے
یہ تعصب کو مگر گھر کا دیا کہتے ہیں
بغض للہ کے پردے میں عداوت ذاتی
دین کی آڑ میں کیا کرتے ہیں کیا کہتے ہیں

(فریادامت)[۲۴]

ہماری دینی حمیت کا حال یہ ہے کہ اسلام آباد میں لال مسجد کے کچھ عاقبت نااندیش سرپھروں نے نفاذ دین کی ایک سعی کی۔ ان کا طریق کار متشددانہ بھی تھا اور قرین مصلحت بھی نہیں تھا اس کے باوجود اگر پوری قوم اٹھ کھڑی ہوتی تو انھیں راہ صواب دکھائی جا سکتی تھی اور حکومت کو غیرملکی آقاؤں کو خوش کرنے کے لیے انتہائی ظلم کرنے سے باز رکھا جا سکتا تھا۔۔۔۔ مجھے معلوم ہوا ہے کہ ملتان کے کسی دینی مدرسے کے کسی مدرس نے جب لال مسجد کے اندوہناک حادثے سے قبل، لال مسجد کے لوگوں کے طرز عمل کو غلط قرار دیا تو انھیں خواب میں ایسا لگا جیسے وہ لال مسجد میں داخل ہو رہے ہیں اور وہاں قرآن کریم کی وہ آیت تلاوت کی جا رہی ہے جس میں یہودیوں نے موسیٰ علیہ السلام کو جواب دیا تھا کہ زبردست لوگوں سے ہم نہیں لڑیں گے، تم اور تمہارا خدا لڑنے جائے۔ ہم یہیں بیٹھے ہیں۔ (سو جاؤ تم اور تمہارا رب اور جنگ کرو تم دونوں ہم تو یہیں بیٹھے ہیں)[۲۵]۔ یہ اس بات کی طرف اشارہ تھا کہ لال مسجد والوں کو بھی پوری قوم نے یہ کہ کر چھوڑ دیا تھا کہ ہم حکومت کی زبردست قوت سے ٹکر نہیں لے سکتے، تمہارا خدا اور تم ہی ان سے ٹکر لو! ہم نفاذ دین کی کسی کوشش میں تم سے تعاون نہیں کر سکتے!۔۔۔۔۔ کیا تعلق مع الرسول ﷺ کا یہی تقاضا تھا؟؟؟

حضرت صہیبؓ کی ایک حدیث ہے ''جو شخص قرض لے اور یہ ٹھان لے کہ ادا نہ کرے گا۔ وہ اللہ تعالیٰ کے حضور چور کی حیثیت سے پیش ہوگا''۔[۲۶] اس حدیث شریف کے معیار کے مطابق ہمارے کتنے بااثر لوگ ہیں جو اللہ کے ہاں چور لکھے جا چکے ہیں اور پھر بھی قوم کے لوگوں نے انہیں ا

پنے سروں پر بٹھالیا ہے۔۔۔تعلق باالرسول ﷺ کے تقاضے کیا یہی ہیں؟؟؟

’’جب تک تمہیں یقین نہ ہو کسی حدیث کو میری طرف منسوب کرنے سے بہت پرہیز کیا کرو اور جو شخص جان بوجھ کر دروغ گوئی کر کے کسی قول کو میرے ذمے لگائے وہ اپنا ٹھکانا دوزخ میں بنائے گا‘‘[۲۷] حدیثوں کے معاملے میں یہ ظلم کرنا ہمارا اجتماعی رویہ بن گیا ہے!

’’ہر امت کے لیے ایک ذریعۂ آزمائش ہوتا ہے اور میری امت کا ذریعۂ آزمائش مال ہے‘‘[۲۸]۔آج مال کی ریل پیل اور اسکے حوالے سے پیش آنے والا آزمائشی مرحلہ ہمارے سامنے ہے! اللہ ہمیں اس آزمائش میں پورا اترنے کی توفیق مرحمت فرمائے!..................لیکن کیا صرف دعاؤں سے ہمارا حال بدل جائے گا؟؟؟ ہمارے مال داروں میں بیشتر کا قصرِ دولت ظلم کی بنیاد پر قائم ہوا ہے۔ بیشتر دولت منداپنی دولت سے کمزوروں کو اپنا غلام بنائے ہوئے ہیں اور انہیں پنپنے کا موقع نہیں دیتے۔ وہ صرف خود معزز نظر آنا چاہتے ہیں۔لیکن حاؔلی نے ان کے لیے بھی کہہ دیا تھا:

ان کی کیا عزت ہے یارو قوم ہے جن کی ذلیل
ان کو کیا راحت ہے جن کی قوم ہے سب خستہ حال
شال گدڑی سے ہے واں سو مرتبہ بد تر، جہاں
ہوں ہزاروں گدڑیاں اور ایک کے کندھے پہ شال
گھر میں اپنے بیٹھ کر جو چاہے سو بن لے کوئی
غیر قوموں میں نہیں حاصل اسے جز انفعال
کہتے ہیں غیر اس کو ہم جنسوں میں اپنے دیکھ کر
’’یہ وہی کوا ہے لیکن ہنس کی چلتا ہے چال‘‘

(کلیاتِ نظمِ حاؔلی، جلد دوم، ص۲۶۹)[۲۸][الف]

’’جو شخص لوگوں کو دام میں لانے کے لیے خوش بیانی کا فن سیکھتا ہے، اللہ تعالیٰ اس کے (جرم کی

تعلق بالرسول ﷺ کے تقاضے اور ہم!

تلافی کے لیے) کوئی قیمت و معاوضہ قبول نہ فرمائے گا‘‘[۲۹] فصیح اللسان خطیب، جوامت میں افتراق کے لیے بڑی بڑی تقاریر کرتے ہیں اور لوگ ان کے گرویدہ ہو جاتے ہیں۔۔اس حدیث کی روشنی میں اپنی نیتوں اور اعمال کا ازسرنو جائزہ لیں!

’’۔۔۔۔جسے اللہ تعالیٰ کسی رعیت کا راعی بنائے اور وہ اپنے فرض میں خیانت کا ارتکاب کر کے مرے تو اللہ تعالیٰ اس پر جنت حرام کردے گا‘‘[۳۰]اس حدیث کے اثرات ہمارے کتنے رہنماؤں پر پڑ رہے ہیں اور پڑیں گے اس کا احساس کتنوں کو ہے؟؟؟

’’آنحضرت ﷺ نے مقدام بن معدی کرب کے کاندھوں پر ہاتھ مار کر فرمایا کہ اے قدیم اگر کہیں کے امیر یا منشی (سیکریٹری) یا چودھری بنے بغیر مرجاؤ تو سمجھو کہ تم نے فلاح حاصل کرلی‘‘[۳۱] ہماری سوسائٹی میں عہدوں کی طلب سے کتنے لوگ بچے ہوئے ہیں؟؟؟

ناگپور (بھارت) میں حضرت بابا تاج الدین اولیاء بڑے صاحب کرامات بزرگ ہوئے ہیں۔ آپؒ کا وصال ۱۷، اگست ۱۹۲۵ء مطابق ۲۶، محرم الحرام ۱۳۴۴ھ کو ہوا اور ناگپور میں آپؒ کا مزار مبارک مرجع خلائق ہے۔ یہاں آپؒ کی بے شمار کرامات میں سے ایک کا ذکر مقصود ہے۔ ایک مرتبہ ایک معمر خاتون نے سرکار بابا تاج الدین اولیاءؒ سے عرض کیا کہ میں علیل ہوں اگر تندرست ہو جاؤں گی تو آپ کے آستانے پر آ کر بڑے (مونگ کی دال کے پکوڑے) تقسیم کروں گی۔ وہ خاتون اپنے گاؤں پہنچی تو بھلی چنگی تھی۔ جلد واپس آ کر اس نے سرکار میں حاضری دی اور زائرین کو اعلیٰ قسم کا کھانا کھلایا۔ واپس گاؤں پہنچی تو پھر بیمار ہو گئی۔ جب ذرا افاقہ ہوا تو پھر حاضر خدمت ہوئی اور رونے لگی۔ حضرت بابا تاج الدین اولیاء رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ’’اماں بڑے بانٹتے، اچھے ہو جاتے‘‘ تب اسے یاد آیا کہ منت اس کی مانی تھی۔ چنانچہ بڑے تقسیم کروائے اور صحت یاب ہو کر واپس لوٹی۔[۳۲]

یہ واقعہ مجھے اس لیے یاد آیا کہ اللہ کے ایک ولی سے کیا ہوا وعدہ بھی جب اپنی اصل منت کے حوالے سے پورا نہیں ہوا تو نتائج خراب نکلے۔اب ذرا سوچیۓ کہ پاکستان بناتے وقت اللہ سے کیا

وعدہ کیا تھا۔تشکیل پاکستان کے وقت بچے بچے کی زبان پر یہ نعرہ تھا ''پاکستان کا مطلب کیا لا الہٰ الا اللہ''۔۔۔

اور غالباً اس مقدس نعرے کا ہی اثر تھا کہ مختلف بزرگ پاکستان بننے سے قبل حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی زیارت سے مشرف ہوئے اور شاہ ہر عالم ﷺ نے انھیں پاکستان بن جانے کی بشارت سے سرفراز فرمایا۔مولانا جمال الدین عبدالوہاب المعروف جمال میاں فرنگی محلی لکھتے ہیں:

''جولائی ۱۹۴۶ء میں مسلم لیگ کونسل کا ایک تاریخی اجلاس بمبئی میں منعقد ہوا۔اس اجلاس میں شرکت کے لیے راقم بھی ہوائی جہاز میں ان (مولانا سید فضل الحسن حسرت موہانی رحمۃ اللہ علیہ) کے ساتھ روانہ ہوا۔اثنائے راہ میں انھوں نے فرمایا ''سنیے صاحب! پاکستان تو مل جائے گا۔اب آئندہ کی فکر کرنا چاہیے''۔میں نے عرض کیا کہ آپ کو یہ کیسے یقین ہے کہ پاکستان مل جائے گا؟ فرمانے لگے کہ میں نے خواب میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زیارت کی ہے اور حافظ کے دیوان سے تفاول کیا تو شعر بھی نہایت مناسب نکلا اور حافظ کی اس غزل پر میں نے تضمین بھی کردی ہے اور اسی وقت ڈائری سے درج ذیل اشعار سنائے ۔

جب کہے خواب میں خود آ کے وہ شاہ خوباں
جب کہ حافظ بھی مصدق ہو بہ فال دیواں
تجھ کو حسرت یہ مبارک سندو مہر و نشاں
پردہ بردار کہ تا سجدہ کنند جملہ جہاں
طاق ابروئے تو محراب جہاں خواہد بود

مورخہ ۱۸، مارچ ۱۹۴۶ء'' [۳۳]

درحقیقت، پاکستان کا وجود کرہء ارض پر مدینہ منورہ کی اسلامی ریاست کا عکس ہے۔کیوں کہ اس کا خواب دیکھنے والوں نے اسے اسی طرح اپنے تصورات کا حصہ بنایا تھا۔خطبہء الہٰ آباد میں اقبالؒ نے فرمایا تھا:

''ہندوستان دنیا میں سب سے بڑا اسلامی ملک ہے اور اگر ہم چاہتے ہیں کہ اس ملک میں اسلام بحیثیت ایک تمدنی قوت کے زندہ رہے تو اس کے لیے ضروری ہے کہ وہ ایک مخصوص علاقے میں اپنی مرکزیت قائم کرے''

(خطباتِ اقبالؒ۔ص ۸۳)

لیکن افسوس سڑسٹھ سال گزر جانے کے باوجود پاکستان کو اسلامی فلاحی مملکت بنانے کا وعدہ پورا نہیں کیا جاسکا! جبکہ تعلیم رسول برحق محمد رسول اللہ ﷺ کیا تھی؟۔۔۔ ہر حال میں عہد کا پاس کرو!

چشم فلک نے میرے آقا جناب محمد مصطفیٰ ﷺ کا یہ اقدام بھی ملاحظہ کیا ہے۔۔۔جنگ بدر کا موقع ہے۔فوجیں دونوں طرف ہیں۔مسلمانوں کی تعداد تین سو تیرہ اور کافروں کی تعداد ایک ہزار ہے۔ایسے میں نبی علیہ السلام کے دو صحابی (حضرت حذیفہ الیمانؓ اور ان کے والد حضرت حُسَیْلؓ) جنگ میں شرکت کے ارادے سے حاضر ہوتے ہیں اور بتاتے ہیں کہ راہ میں انہیں کافروں نے روک کر یہ عہد لیا تھا کہ وہ جنگ میں شرکت نہیں کریں گے! رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ''تم دونوں واپس چلے جاؤ، ہم ان کے ساتھ کیے ہوئے وعدے کو پورا کریں گے اور ان کے خلاف اللہ سے مدد مانگیں گے'' [۳۴]

عہد کی پاسداری کا عملاً درس دینے والے رسول ﷺ کی امت نے اپنے پیارے نبی حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ سے محبت کے بلند بانگ دعوے کرنے کے باوجود اللہ سے کیا ہوا وعدہ بھلا دیا۔۔۔اور آج اس کی سزا بھگت رہی ہے۔دلوں کا چین لٹ چکا ہے۔پوری قوم پر خوف مسلط ہے۔قوم کو اچھے حکمران میسر نہیں۔پاکستان بنتے ہی اس قوم سے، مخلص قیادت چھین لی گئی۔اب اس قوم کا مستقبل غیر یقینی محسوس ہوتا ہے۔خطرہ یہ ہے کہ اللہ اس پر وہ عذاب مسلط نہ کردے جو بدعہد قوموں پر مسلط ہوا کرتا ہے۔حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ ''جو قوم بدعہدی کرتی ہے اس پر دشمن مسلط کردیا جاتا ہے'' [۳۵]

ہماری تاریخ کا عبرت انگیز واقعہ ہے کہ سلطان جلال الدین خوارزم شاہ نے پہلے تو تاتاری فوجوں کے ساتھ بڑی بے جگری سے جنگ لڑی لیکن آخر میں اپنا گھوڑا یہ کہہ کر لوٹا لیا کہ اسے ملائکہ اوراولیاء کی ارواح، چنگیزی لشکر کے سروں پر سایہ فگن یہ کہتی نظر آتی ہیں: ''اَیُّھَا الْکَفَرَۃُ اُقْتُلُوْا الْفَجَرَۃَ'' (اے کافرو! ان فاجروں کو قتل کرو!)'' جس کے نتیجے میں لاکھوں اور کروڑوں مسلمانوں کا خون بہا۔[۳۶]

اب ہمیں سنجیدگی سے فیصلہ کرنا پڑے گا کہ آیا واقعی دنیا میں ایک زندہ قوم کی طرح رہنا ہے یا اسی طرح نیم مردہ حالت میں بسر کرنی ہے؟ اگر بہتری کی خواہش ہے تو ہمیں مایوس ہونے کے بجائے اللہ سے توبہ کرنی ہوگی، توبۃ النصوح! اللہ تعالیٰ نے حضرت یونس علیہ السلام کی پوری قوم کی لغزش معاف فرمادی تھی۔ وہ اپنے محبوب رسول محمد مصطفیٰ ﷺ کی امت کی توبہ ضرور قبول فرمائے گا۔ شرط صرف یہ ہے کہ ہم من حیث القوم اللہ کو اس کے محبوب نبی ﷺ کے سچے پیروکار بن کر دکھائیں!

علامہ اقبال نے فرمایا ہے کہ ملت کی تربیت کی تکمیل نبوت کے وسیلے سے انجام پاتی ہے۔ انسانیت کو افراد سے ملت بنانے کا کام صدیوں بعد، نبوت کے طفیل انجام پذیر ہوسکا ہے۔ ورنہ انسان بے مقصد زندگی بسر کررہا تھا۔ کیونکہ تمام انسان منتشر تھے انھوں نے ملت کی شکل اختیار نہیں کی تھی۔ تا آنکہ اللہ نے نبی علیہ السلام کو پیدا فرمادیا جنہوں نے ہر نکتے کی وضاحت کرکے انسان میں ذوق وشوق پیدا کردیا۔ نبی علیہ السلام کی تعلیمات کی بدولت انسان کو زندگی گزارنے کے اطوار معلوم ہوئے اور انسان اشرف المخلوقات کے درجے پر فائز ہوا۔[۳۷]

اب امت مسلمہ کے بچاؤ کی صورت صرف اور صرف یہ ہے کہ صدق دل سے حضور ﷺ کے ساتھ اپنا رابطہ استوار کرلے۔۔۔۔۔ کیونکہ

بمصطفیٰ ﷺ برساں خویش را کہ دیں ہمہ اوست
اگر بہ او نرسیدی تمام بولہبی است

اور

کی محمد ﷺ سے وفا تو نے تو ہم تیرے ہیں
یہ جہاں چیز ہے کیا لوح وقلم تیرے ہیں

(اقبال)

اقبال نے اپنی قوم کو بڑی رجائیت کے ساتھ یہ پیغام بھی دیا ہے کہ یہ قوم اجل سے اس لیے بے پرواہ ہے کہ اس سے اللہ تعالیٰ کا مشروط وعدہء دوام ہے۔

انہوں نے فرمایا تھا۔

از اجل ایں قوم بے پرواستے
استوار از نحن نزلناستے

(اقبال..........رموزِ بیخودی)

اللہ تعالیٰ نے جو یہ فرمایا ہے کہ ہم ہی نے یہ ذکر [قرآنِ کریم] نازل کیا ہے اور ہم ہی اس کی حفاظت فرمائیں گے [۱۵:۹]۔ تو چونکہ یہ حفاظت مسلمان قوم ہی کے ذریعے ہونی ہے اس لیے یہ قوم بھی ہمیشہ زندہ رہے گی۔ اس لیے یہ قوم اجل سے بے پرواہ ہے۔

علامہ اقبال کے اس نادر خیال کی روشنی میں مجھے یقین ہے کہ مسلمان قوم' قرآن کریم سے انسلاک کے باعث ہمیشہ زندہ رہے گی..........قرآنِ کریم سے تمسک کی بنا پر جب پوری قوم کا تعلق اپنے نبی ﷺ سے مضبوط ہوجائے گا تو اللہ رب العزت بھی مغفرت کا وعدہ پورا فرمادے گا۔ اللہ رب العزت کا فرمان ہے:

قل ان کنتم تحبون اللہ فا تبعونی یحببکم اللہ و یغفر لکم ذنوبکم ط واللہ غفور رحیم[۳۸]

''(اے محبوب) آپ فرمائیے (انھیں کہ) اگر تم (واقعی) محبت کرتے ہو اللہ سے تو میری پیروی کرو (تب) محبت فرمانے لگے گا تم سے اللہ اور بخش دے گا تمہارے لیے تمہارے گناہ اور

اللہ تعالیٰ بڑا بخشنے والا رحم فرمانے والا ہے"۔

میں اپنی گزارشات کا اختتام علامہ یوسف بن اسماعیل النبہانی رحمۃ اللہ علیہ کے دعائیہ اشعار پر کرنا چاہتا ہوں:

یا ربّ و ارحم أُمة المختار
فی کل عصرٍ و بکل دار
وأحرسهم من سلطة الاغیار
فی سائر البلاد والاقطار
فی کل غورٍ و بکل نجد
به استجب یا ربنا دعواتنا
اٰمن به یا ربّنا روعاتنا
حسن به یا ربّنا حالاتنا
و بدّلن بالحسن سیّئا
و نجنا من حسد و حقد

"اے میرے ربّ نبی مختار ﷺ کی امت پر رحم فرما، ہر دور اور ہر علاقے میں اور انہیں دشمن کے غلبے سے محفوظ فرما، تمام شہروں اور اطراف میں، ہر نشیب اور فراز میں"

"اے ہمارے ربّ اُس نبی مختار ﷺ کے وسیلے سے ہماری دعائیں قبول فرما اور اُن کے صدقے ہمیں خوف و ہراس سے محفوظ فرما، اُن کے واسطے سے ہمارے حالات بہتر فرما اور ہمارے گناہ نیکیوں میں بدل دے اور ہم کو حسد و کینے سے نجات دے"..........(علامہ یوسف بن اسماعیل النبہانی رحمۃ اللہ علیہ..................ترجمہ: پروفیسر ڈاکٹر اسحاق قریشی)

علامہ یوسف بن اسماعیل النبہانی رحمۃ اللہ علیہ کی دعا کے اثر سے مجھے اپنے چند دعائیہ اشعار بھی یاد

آ گئے وہ بھی درج کر دیتا ہوں:

شجر حیاتِ دوروزہ کا یوں ہرا کردے
کہ پتّہ پتّہ فضاؤں کو خوشنما کردے
وہ عزم امتِ خیرالوریٰ ﷺ کو حاصل ہو
نفاذِ دین کا دنیا میں حق ادا کردے
فضائے دہر پہ باطل کی حکمرانی ہے
ضیائے حق سے ہر اک روح کی جلا کردے
یہ حکمراں جو بظاہر بڑے مسلماں ہیں
اِنہیں ضمیر کی دولت بھی کچھ عطا کردے!
کسی کو وصفِ عمرؓ دے کے میرے رب اب تو
علیل امتِ مسلم کی کچھ دوا کردے
جو لوگ دین سے برگشتہ ہیں زمانے میں
انھیں محبتِ دینِ مبیں عطا کردے
جو لوگ حُبِّ دوَل میں ہیں مبتلا یارب!
انھیں حقیقتِ دنیا سے آشنا کردے
وہ مردِ حق بھی کبھی بھیج میری دنیا میں
جو انقلاب ِ حقیقی یہاں بپا کردے
یقیں کی دولتِ بیدار وہ مُیسر ہو
جو قیدِ وہم و گماں سے ہمیں رِہا کردے!
شجر دعاؤں کا اب تک ہے بے ثمر یارب!
اب ان دعاؤں کو شیریں ثمر عطا کردے!

دکھے دلوں کی دعائیں قبول فرما کر
ہماری کِشتِ وطن کو ہرا بھرا کردے!
شکستہ دل کی دعا مستجاب ہو یارب!
دلِ عزیزؔ کو اوہام سے رِہا کردے!

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

حوالے/حواشی

[۱]۔القرآن،آل عمران۔آیت ۳۱۔

[۲]۔الاعراف آیات ۱۲۳ تا ۱۲۵

[۳]۔الرعد۔آیت ۱۷۔

[۴]۔توبہ،آیات ۱۰۷،۱۰۸۔

[۵]۔البقرہ آیت ۲۰۸۔

[۶]۔رواہ طبرانی۔

[۷]۔رواہ مسلم،ابوداؤد،نسائی وابن ماجہ۔

[۸]۔نقوش رسول ﷺ نمبر جلد ۶،شمارہ ۱۳۰،دسمبر ۱۹۸۳ء،ادارہ فروغ اردو،لاہور۔ص ۷۰۰ (بحوالہ ترمذی)

[۹]۔ ایضاً ص ۶۲۵ (بحوالہ ترمذی)۔

[۱۰]۔قیصر:بتاؤ محمد (ﷺ) کا خاندان ونسب کیا ہے؟ ابوسفیان:معزز وشریف۔۔۔قیصر:سچ ہے نبی شریف گھرانے کے ہوتے ہیں تاکہ کسی کو ان کی اطاعت میں عار نہ ہو۔۔۔قیصر:کیا یہ (محمد ﷺ) بعثت سے قبل جھوٹ بولتا تھا؟ابوسفیان:نہیں۔۔۔محمد رسول اللہ ﷺ،توفیق الحکیم،ترجمہ عطیہ خلیل عرب،شاہکار بک کلب، لاہور:(تفصیل کے لیے کتاب کے صفحات ۳۶۰ تا ۳۶۲ ملاحظہ فرمائیے)۔

[۱۱]۔نقوش ص ۲۷۲،(بحوالہ ابوداؤد)

[۱۲]۔ ایضاً ص ۲۷۵ (بحوالہ ترمذی،نسائی،بخاری)

[۱۳]۔ایضاً ص ۵۵۸ (بحوالہ مسلم)

[۱۳][الف]۔کلیاتِ نظمِ حالی،جلد دوم،مجلسِ ترقی ادب،لاہور،ص

[۱۴]۔ایضاً ص ۶۹۲ (بحوالہ ترمذی)

[۱۵]۔ایضاً ص ۶۰۹ (بحوالہ بخاری)

[۱۶]۔ایضاً ص ۶۱۸

[۱۶](الف)۔ماہنامہ ضیاء وجیہ، (اندرون مدرسہ جامع العلوم فرقانیہ،بازار مسٹن گنج،رام پور۔بھارت۔ایڈیٹر: ڈاکٹر شعائر اللہ خاں وجیہی۔)مارچ ۲۰۰۸ء۔صفحہ ۲۷۔

[۱۷]۔نساء آیت ۱۳۵۔

[۱۸]۔مآئدہ۔آیت ۸۔

[۱۹]۔نقوش۔ص ۶۷۵ (بحوالہ للکبیر)

[۲۰]۔ایضاً ص ۶۷۲ (بحوالہ شیخین)

[۲۱]۔انقوش۔ص ۶۷۴ (بحوالہ ترمذی ونسائی)

[۲۲]۔اللہ کی تلوار،لیفٹیننٹ جنرل آغا ابراہیم اکرم،نیشنل بک فاؤنڈیشن،اسلام آباد،طبع سوم ۲۰۰۴ء،ص۔۶۴۷

۲۳]۔ایضاً ص ۶۴۹

[۲۴]۔کلیات باقیات شعر اقبال ،اقبال،مرتبہ ڈاکٹر صابر کلوروی مرحوم (لاہور:اقبال اکادمی پاکستان۔طبع اول ۲۰۰۴ء)،ص ۱۱۴۔

[۲۵]۔مآئدہ ،آیت ۲۴۔

[۲۶]۔نقوش۔ص ۴۹۵۔

[۲۷]۔ایضاً ص ۲۷۶۔

[۲۸]۔ایضاً ص ۶۲۷۔

[۲۸][الف]۔کلیاتِ نظمِ حالی،جلد دوم،ص ۲۶۹

[۲۹]۔ایضاً ۶۵۱۔

[۳۰]۔ایضاً ص ۶۷۲۔

[۳۱]۔ایضاً ص ۶۷۲۔

[۳۲]۔اذکار تاج الاولیاءؒ ،فرید الدین شاہ تاجی (احمد برادرز پرنٹرز، ناظم آباد،کراچی۔طبع سوم ۱۴۱۴ھ) ص

۱۶۰۔

[۳۳]۔کلیات حسرت موہانی، حسرت موہانی (شیخ غلام علی اینڈ سنز، پبلیشرز، لاہور۔ بار چہارم) ص ۲۹۔

[۳۴]۔صحیح مسلم، جلد دوم' باب الوفاء بالعھد (وعدہ وفا کرنے کے بیان میں) حدیث 3392، ضیاء القرآن پبلی کیشنز، لاہور۔

[۳۵]۔نقوش ص۶۸۳ (بحوالہ ابوداؤد)

[۳۶]۔مہرِ منیر، سوانح حیات حضرت سید پیر مہر علی شاہ صاحب نور اللہ مرقدہٗ، گولڑہ شریف، اسلام آباد، ص ۳۴۔

[۳۷]۔شرح اسرار و رموز، ڈاکٹر خواجہ حمید یزدانی، سنگ میل پبلی کیشنز، لاہور۔۲۰۰۴ء۔

[۳۸]۔اٰل عمران آیت ۳۱

☆☆☆☆☆☆☆☆

مصنف کی دیگر کتب:

تصانیف:

۱۔ اردو نعت اور جدید اسالیب (تنقیدی مضامین) ۱۹۹۸ء،
ناشر: فضلی سنز (پرائیویٹ) لمیٹڈ، اردو بازار، کراچی۔

۲۔ تیرے ہی خواب میں رہنا (شعری مجموعہ) ۲۰۰۰ء،
ناشر: بزمِ تخلیقِ ادب پاکستان، پوسٹ بکس نمبر: 17667، کراچی۔75300

۳۔ نعت کی تخلیقی سچائیاں (تنقیدی مضامین) ۲۰۰۳ء،
ناشر: اقلیمِ نعت (نعت ریسرچ سینٹر B-306/14، گلستانِ جوہر، کراچی

۶۔ شہپرِ توفیق (نعتیہ مجموعہ) ۲۰۰۹ء،
ناشر: نعت ریسرچ سینٹر، کراچی

۷۔ نعت کے تنقیدی آفاق (تنقیدی مضامین) ۲۰۱۰ء،
ناشر: نعت ریسرچ سینٹر، کراچی

۸۔ رموز بیخودی کا فنی و فکری جائزہ (مقالہ: ایم۔فل [اقبالیات]) ۲۰۱۱ء،
نعت ریسرچ سینٹر، کراچی

۹۔ امیدِ طیبہ رسی (نعتیہ مجموعہ) ۲۰۱۲ء، ناشر: نعت ریسرچ سینٹر، کراچی

۱۰۔ اردو نعتیہ ادب کے انتقادی سرمائے کا تحقیقی مطالعہ (مقالہ: پی۔ایچ۔ڈی) ۲۰۱۳ء،
ناشر: نعت ریسرچ سینٹر، کراچی......
تعاون: بزمِ یوسفی، A-12، بلاک 13، گلستانِ جوہر، کراچی۔ پوسٹل کوڈ: 75290

۱۱۔ پاکستان میں اردو نعت کا ادبی سفر،
نعت ریسرچ سینٹر B-306/14، گلستانِ جوہر، کراچی، جولائی ۲۰۱۴ء

۱۲۔ نعتیہ ادب کے تنقیدی زاویے،
ناشر: نعت ریسرچ سینٹر، کراچی۔ تعاون: بزمِ یوسفی، A-12 بلاک 13، گلستانِ جوہر، کراچی۔

تالیفات:

۱۔ جواہر النعت (نعتیہ انتخاب)، بزمِ یوسفی، کراچی۔ ۱۹۸۱ء

۲۔ م ص (نعتیہ مجموعہ) فدا خالدی دہلوی، کراچی، ۱۹۸۳ء

۳۔ آتش احساس (مجموعۂ غزلیات) فدا خالدی دہلوی،، کراچی، ۱۹۸۴ء

۴۔ خوابوں میں سنہری جالی ہے (نعتیہ مجموعہ) صبیح رحمانی، ۱۹۹۷ء، اقلیم نعت، کراچی

۵۔ قصر بلند، یعنی مطالعۂ قرآن، ایچ، ایچ، امام اکبر آبادی، ۲۰۰۱ء، آفتاب اکیڈمی، کراچی

۶۔ سبد گل، ایچ، ایچ، امام اکبر آبادی، ۲۰۰۱ء، آفتاب اکیڈمی، کراچی

۷۔ بحرِ شناسائی، فارسی کلام............ حضرت سید ظہور الحسنین شاہ ظاہر احسنی، یوسفی تاجی رحمۃ اللہ علیہ، بزمِ یوسفی، کراچی، ۱۴۳۵ھ مطابق: ۲۰۱۴ء